غلام عباس کے افسانوں میں شہری زندگی کی پیش کش
"اوور کوٹ" اور "کتبہ" کی روشنی میں (تجزیاتی مطالعہ)

Presentation of urban life in Ghulam Abbas's fiction In the Light of "Overcoat" and "Katbah" (Analytical Study)

DOI: 10.5281/zenodo.7573396

***Dr.Hend Abdul Haleem Mehfuz**

Abstract

Every man of letters has his or her own narrative world, or distinct circle. It may be so broad or limited; but this does not matter as success of the author draws on his or her talent and skill in presenting his or her art within this circle. This should be attained meticulously. Regarding Gholam Abbas, he had relied on his own local environment while choosing his world of narration. His circle revolves within the city of Lahore in which he grew up witnessing its joys, sorrows, victories, and setbacks. With outstanding skill, he depicted its problems and cares of its people. Out of this local milieu, he attained worldwide fame through extreme locality. In this respect, he resembles the Egyptian Naguib Mahfouz, whose stories and novels took place inside the city of Cairo. The most prominent element in the stories of Gholam Abbas is shedding light on the city's cruelty to its people, especially the working class who show contrary to what they hide and try to coexist with that painful reality. This is evident through "Over coat" and "kataba" story. His stories also highlight the image of city life, crowds, high-rise buildings, buying and selling in the city hub, the image of street vendors over bridges, traffic and its jamming during rush hours of employees. The psychological state experienced by the residents of the city is depicted, too. Also handled are the crowded city and the psychological pressures on the simple employees, and the class disparity among the people of the city, where the poor aspire to live on a level close to the rich of the city, but no way.. never.

Keywords: draws, talent, Gholam Abbas, environment, Egyptian

....

*Associate Professor, Department of Urdu, Girls section Al-Azhar University, Cairo

غلام عباس اُردو کے ممتاز اور معروف افسانہ نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں مختصر افسانے کی بنیادی خصوصیات کا التزام کیا۔ ان کے افسانے کا قاری ہمیشہ یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ افسانے کی واقعات کے اندر رہتاہے،اور ان واقعات کو اپنی آنکھوں سے دیکھتاہے، لہٰذا غلام عباس اپنے قاری کو اُکتانے کا کوئی موقع نہیں دیتا۔ غلام عباس کے افسانوں میں حقیقت پسندی کا عنصر ان کی کامیابی کا باعث ہے۔ قاری کو ان کے افسانے پڑھتے ہوئے اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔ وہ اپنے آپ کو افسانے کا ایک کردار محسوس کرتا ہے۔ "اوور کوٹ" اور ''کتبہ''میں خاصی مماثلت بھی ہے۔ دونوں ہی شہری زندگی کی عکاسی کرتے نظر آتے ہیں۔ ہر فن کار کا اپنا مخصوص دائرہ کار ہوتا ہے۔ یہ دائرہ چھوٹا ہو یا بڑا، اس سے فرق نہیں پڑتا۔ دیکھنے کی بات یہ ہوتی ہے کہ کیا اس نے اس دائرے میں رہتے ہوئے اپنے فن کو کامیابی سے برتا ہے یا نہیں۔ دنیا کے بعض عظیم ناول نگاروں نے ایک مخصوص علاقے کو ہی اپنے ناولوں کی سیٹنگ بنایا۔ اس ضمن میں تھامس ہارڈی اور جین آسٹن کے نام سامنے کے ہیں۔ ہر فکشن نگار ہر موضوع پر نہیں لکھ سکتا۔ وہ بعض موضوعات پر بآسانی لکھ سکتاہے اور بعض پر نہیں۔ اسی طرح بعض فکشن نگار دیہی زندگی کی عکاسی بہتر انداز سے کرپاتے ہیں اور بعض نہیں۔ اس کا بڑا سبب یہی ہوتا ہے کہ مصنف کی ذاتی زندگی کے تجربات کا تعلق اس مخصوص ماحول اور فضا سے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں پریم چند، احمد ندیم قاسمی اور منشا یاد کے ہاں دیہی معاشرت کی بھرپور عکاسی ملتی ہے۔ ان کے ہاں دیہات اپنی پوری جزئیات کے ساتھ موجود ہے۔ اسی طرح شہری تمدن کی بات کی جائے تو منٹو اور کرشن چندر، خدیجہ مستور، ہاجرہ مسرور، آغا بابر اور انیس ناگی کے ہاں یہ پہلو خاصا مضبوط دکھائی دیتا ہے، تاہم غلام عباس ایک ایسے فن کار ہیں جن کے ہاں ہمیں یہ پہلو بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔ ان کے تمام افسانوں کے کردار شہری ہیں۔ شہری زندگی کے مسائل اپنی جزئیات سمیت ان کے افسانوں میں جگہ پاتے ہیں۔

موضوع کی وحدت

غلام عباس ایک ممتاز ادیب ہیں، وہ اپنے افسانوں میں زندگی کے مسائل پیش کرتے ہیں، خاص طور پر اُنھوں نے غریب طبقے کے مسائل پر توجہ مرکوز کی ہے۔ دونوں افسانوں کے مطالعے کے بعد، میں یہ سمجھا کہ ان کا موضوع ایک ہے، یعنی غریبوں کی تکلیف اور درد۔ غلام عباس ''اوور کوٹ'' میں ایک غریب نوجوان کا نفسیاتی دُکھ پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے اس دُکھ کو اس طرح چھوٹے چھوٹے عوامل کے ذریعے پیش کیا ہے، وہ ایک حقیقی انسانی عمل کی طرح سامنے آتا ہے- جو شہر میں شام کو تفریح کے لیے نکلنے والے کسی آسودہ حال نوجوان کی تمام سرگرمی پر مشتمل نظر آتا ہے- سرِ رہ گزر اس کردار کی نفسیات کو غلام عباس نے جس کلائمکس میں تبدیل کر کے اس کا بنیادی موضوع ابھارا ہے، اُس نے اسے ہمارے معاشرے کے تضادات، المیوں، چھپی ہوئی ناآسودہ خواہشات کا عجیب وغریب آئینہ بنادیا ہے، مگر غلام عباس نے کہیں اس کے رنگوں کو تیز یا تضادات پر احتجاج یا زندگی کی تلخ ترین حقیقت کو دکھانے کے باوجود لب ولہجے میں غم وغصے یا تلخی کا شمہ برابر ذائقہ نہیں آنے دیا ہے- اسی لیے یہ افسانہ اثرپذیری کے لحاظ سے ایسی گہری بصیرت تک پہنچ گیا ہے، جس میں معاشرتی صورتِ حال، ایک عام انسانی زندگی

کے مسائل اور نوجوان اُمنگوں پر تلخ اور زہر خند رویوں کے مخفی حقائق زندگی کے شعور کے اظہار میں لب و لہجے پر بہت زیادہ بوجھ ڈالے بغیر، انقلابی لب و لہجہ تو کیا گرمیِ نفس کی آنچ تک نہیں آنے دی ہے۔ اسی لیے یہ افسانہ مؤثر ہونے کے ساتھ زندگی کی جمالیاتی حسیات کو اور پُر الم کیفیات کو ایک دوسرے میں مدغم کر دیتا ہے۔ یہ نوجوان ہر وقت لاہور کی سڑکوں پر گھومتا ہے، اس کی خواہش ہے کہ وہ امیر بنے۔ لہٰذا ہر وقت ایک امیر نوجوان ہونے کا اظہار کرتا ہے اور مصنف افسانے کے تمام واقعات میں اس کے اعمال و افعال کے ذریعے اس بات پر تاکید کرتا ہے۔

مثال:(1)

"یہ نوجوان اپنی تراش خراش سے خاصا فیشن ایبل معلوم ہوتا تھا۔ لمبی لمبی قلمیں، چمکتے ہوئے بال، باریک باریک مونچھیں گویا سرمے کی سلائی سے بنائی گئی ہوں۔ بادامی رنگ کا گرم اوور کوٹ پہنے ہوئے، جس کے کاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا ایک ادھ کھلا پھول اٹکا ہوا، سر پر سبز فلیٹ ہیٹ ایک خاص انداز سے ٹیڑھی رکھی ہوئی، سفید سلک کا گلوبند گلے کے گرد لپٹا ہوا، ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں، دوسرے میں بید کی ایک چھوٹی سی چھڑی پکڑے ہوئے جسے کبھی کبھی مزے میں آ کے گھمانے لگتا تھا۔[1]

مثال:(2)

" ایک لڑکا پان بیڑی سگریٹ کا صندوقچہ گلے میں ڈالے سامنے سے گزرا۔ نوجوان نے آواز دی:

"پان والا"

جناب!

دس کا چینج ہے؟

ہے تو نہیں۔ لا دوں گا۔ کیا لیں گے آپ؟

نوٹ لے کے بھاگ گیا تو؟ [2]

مثال:(۳)

" تھوڑی دور چل کے اسے انگریزی موسیقی کی ایک بڑی سی دکان نظر آئی اور وہ بلا تکلف اندر چلا گیا۔ ہر طرف شیشے کی الماریوں میں طرح طرح کے انگریزی ساز رکھے ہوئے تھے- ایک لمبی میز پر مغربی موسیقی کی دو ورقی کتابیں چنی تھیں- یہ نئے چلنتر گانے تھے- سرورق خوبصورت رنگ دار مگر دھنیں گھٹیا- ایک چھچھلتی ہوئی نظر ان پر ڈالی پھر وہاں سے ہٹ آیا اور سازوں کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ایک ہسپانوی گٹار پر، جو ایک کھونٹی سے ٹنگی ہوئی تھی، ناقدانہ نظر ڈالی اور اس کے ساتھ قیمت کا جو ٹکٹ لٹک رہا تھا، اسے پڑھا۔ اس سے ذرا ہٹ کر ایک بڑا جرمن پیانو رکھا ہوا تھا۔ اس کا کور اُٹھا کے انگلیوں سے بعض پردوں کو ٹٹولا اور پھر کور بند کر دیا۔ پیانو کی آواز سن کر دکان کا ایک کارندہ اس کی طرف بڑھا۔

"گڈ ایوننگ سر۔ کوئی خدمت؟"

"نہیں شکریہ۔ہاں اس مہینے کی گراموفون ریکارڈوں کی فہرست دے دیجیے۔"

فہرست لے کے اوور کوٹ کی جیب میں ڈالی۔دکان سے باہر نکل آیا اور پھر چلنا شروع کر دیا۔راستے میں ایک چھوٹا سا بک اسٹال پڑا۔نوجوان یہاں بھی رکا۔کئی تازہ رسالوں کے ورق الٹے۔رسالہ جہاں سے اُٹھاتا بڑی احتیاط سے وہیں رکھ دیتا۔اور آگے بڑھا تو قالینوں کی ایک دکان نے اس کی توجہ کو جذب کیا۔مالکِ دکان نے جو ایک لمبا سا چغہ پہنے اور سر پر کلاہ رکھے تھا، گرم جوشی سے اس کی آؤ بھگت کی۔

"ذرا یہ ایرانی قالین دیکھنا چاہتا ہوں۔اتاریئے نہیں۔یہیں دیکھ لوں گا۔کیا قیمت ہے اس کی؟"

"چودہ سو بتیس روپے ہے۔"

نوجوان نے اپنی بھنوؤں کو سکیڑا جس کا مطلب تھا، "اوہو اتنی۔"

دکان دار نے کہا، "آپ پسند کر لیجیے۔ہم جتنی بھی رعایت کر سکتے ہیں، کر دیں گے۔"

"شکریہ! لیکن اس وقت تو میں صرف ایک نظر دیکھنے آیا ہوں۔"

"شوق سے دیکھیے۔آپ ہی کی دکان ہے۔ [3]

افسانے کے آخر میں، وہ غریب نوجوان اپنی خواہش کی تکمیل کے بغیر، مر جاتا ہے۔

غلام عباس نے اپنے افسانے "کتبہ" میں بھی اسی مضمون کی دوسری تصویر پیش کی۔یہ افسانہ غربت کا رزمیہ ہے اور نہ مرثیہ بلکہ یہ ایک ایسا سفر ہے، جس کا انجام تو المناک ہے، لیکن اس انجام تک پہنچتے قاری ایسے موڑوں سے ٹھٹکتا ہوا گزرتا ہے کہ چند لمحوں کے لیے ہی سہی، زندگی کی مایوسیاں اور ناکامیاں خوش دلی اور رنگینی کا روپ دھار لیتی ہیں- اس افسانے کا مرکزی کردار شریف حسین ہے، جو ایک کلرک کی حیثیت سے کام کرتا تھا۔اور وہ غربت محسوس کرتا تھا، اس کی تنخواہ اپنے خاندان کے لیے کافی نہ تھی، سوائے چند دنوں کے لیے۔اس کی خواہش ہے کہ وہ ایک گھر خریدے، اور اس کے دروازے پر کتبہ لگائے جس پر اس کا نام لکھا ہوا ہو۔شریف حسین زندگی بھر اس خواہش کو پالتا ہے مگر آخرِ کار اپنی خواہش اور آرزو کی تکمیل کے بغیر مر جاتا ہے اور یہ کتبہ، اس کی قبر پر لگا دیا جاتا ہے-

"شریف حسین کلرک درجہِ دوم، معمول سے کچھ سویرے دفتر سے نکلا اور اس بڑے پھاٹک کے باہر آکر کھڑا ہو گیا جہاں سے تانگے والے شہر کی سواریاں لے جایا کرتے تھے-

گھر لوٹتے ہوئے آدھے راستے تک تانگے میں سوار ہو کر جانا ایک ایسا لطف تھا جو اسے مہینے کے شروع کے صرف چار پانچ روز ہی ملا کرتا تھا اور آج کا دن بھی انھی مبارک دنوں میں سے ایک تھا۔آج خلافِ معمول تنخواہ کے آٹھ روز بعد اس کی جیب میں پانچ روپئے کا نوٹ اور کچھ آنے پیسے پڑے تھے۔وجہ یہ تھی کہ اس کی بیوی مہینے کو شروع ہی میں بچوں کو لے کر میکے چلی گئی تھی اور گھر میں وہ اکیلا رہ گیا تھا۔دن میں دفتر کے حلوائی سے دو چار پوریاں لے کر کھالی تھیں اور اوپر سے پانی پی کر پیٹ بھر لیا تھا۔رات

کو شہر کے کسی سستے سے ہوٹل جانے کی ٹھہرائی تھی۔ بس بے فکری ہی بے فکری تھی۔ گھر میں کچھ ایسا اثاثہ تھا نہیں جس کی رکھوالی کرنی پڑتی۔ اس لیے وہ آزاد تھا کہ جب چاہے گھر جائے اور جب چاہے تو ساری رات سڑکوں پر گھومتا رہے۔ [4]

- تصویر کشی (جزئیات نگاری)

غلام عباس نے "اوورکوٹ" اور "کتبہ" میں بہت اعلیٰ تصویر کشی کی۔ وہ ایک ہنر مند فنکار ہیں۔ انھوں نے الفاظ سے عمدہ تصاویر کھینچی ہیں۔ قاری یہ محسوس کرتا ہے کہ وہ ایک خوب صورت پینٹنگ دیکھ رہا ہے، جو تمام جزئیات پر مشتمل ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ جزئیات نگاری غلام عباس کی کامیابی کا راز ہے۔

اوورکوٹ اور "کتبہ" مطالعے کے بعد، میں نے ملاحظہ کیا کہ ان کے افسانوں میں تصویر کشی کی دو قسمیں یا طریقے ہیں:

1- کردار

2- جگہ اور واقعات

(ا) کرداروں کی تصویر کشی

غلام عباس اپنے افسانوں میں کردار نگاری پر زیادہ زور دیتے ہیں، اور ان کرداروں کی عمدہ تصویر کشی میں مصوری نہیں، کیمرائی حقیقت نگاری حاوی ہے۔ ہر کردار اپنی ساخت اور لباس کے اعتبار سے اس طرح ابھر کر سامنے آتا ہے جیسے کیمرہ سے بنائی ہوئی تصویریں- لیکن ان کرداروں کے ساتھ معاشرتی حقائق رفتہ رفتہ اس میں شامل ہوتے جاتے ہیں کہ کیمرے سے بنائی ہوئی تصویریں حرکت کرتی، کچھ سوچتی اور کسی نہ کسی جبر کے تحت کش مکش کا شکار نظر آنے لگتی ہیں- خاموش چہرے بولتے ہیں اور بولتے ہوئے چہرے خاموش ہو جاتے ہیں- یعنی ان کے ہاں حقیقت اور رومانیت کی ایک امتزاجی کیفیت موجود ہے، اور ان دونوں تحریکوں کو ایک جگہ سمیٹ کر انھوں نے افسانہ نگاری کی ہے، رومانیت کی تحریک جو خارجی حقیقت کو نظر انداز کر کے تصویر کا ایک رخ یعنی صرف داخلی اور غیر شعوری کیفیات کو اہمیت دیتی تھی اور حقیقت جو صرف خارجیت پرستی میں مبتلا تھی اور سامنے کی حقیقت پر یقین رکھتی تھی- ان دونوں کو ایک جگہ کر کے غلام عباس نے تصویر مکمل کرنے کی کوشش کی ہے- اس کوشش میں وہ خاص حد تک کامیاب نظر آتے ہیں- ان کے ہاں زیادہ توجہ خارجی ساخت پر ہے اور اس خارجیت میں بھی ان کی توجہ ماحول اور منظر سے زیادہ کردار نگاری پر محسوس کی جا سکتی ہے- ان کے تقریباً ہر افسانے میں کئی کردار اُبھرتے ہیں اور ہر کردار کے لباس، انداز، وضع قطع پر ایک تفصیلی جائزہ موجود ہے، جو ہر کردار کو ایک تصویر کی صورت میں اُبھار کر سامنے لے آتا ہے- غلام عباس نے "اوورکوٹ" کے آغاز میں مرکزی کردار کی تصویر یوں پیش کی:

"جنوری کی ایک شام کو ایک خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ سے گزر کر مال روڈ پر پہنچا اور چیرنگ کراس کا رخ کر کے خراماں خراماں پٹڑی پر چلنے لگا۔ یہ نوجوان اپنی تراش خراش سے خاصا فیشن ایبل معلوم ہوتا تھا۔ لمبی لمبی قلمیں، چمکتے ہوئے بال، باریک باریک مونچھیں گویا سرمے کی سلائی سے بنائی گئی ہوں۔ بادامی رنگ کا گرم اوورکوٹ پہنے ہوئے جس کے کاج میں شربتی رنگ کے گلاب کا ایک ادھ کھلا پھول اٹکا ہوا، سر پر سبز فلیٹ ہیٹ ایک خاص انداز سے ٹیڑھی رکھی ہوئی، سفید سلک کا گلوبند

گلے کے گرد لپٹا ہوا، ایک ہاتھ کوٹ کی جیب میں، دوسرے میں بید کی ایک چھوٹی سی چھڑی پکڑے ہوئے، جسے کبھی کبھی مزے میں آ کے گھمانے لگتا تھا۔ [5]

غلام عباس کی ایک خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے کرداروں کی پوری تصویر ایک جگہ میں مکمل طور پر پیش نہیں کرتے بلکہ کبھی کبھی آغاز سے انجام تک ان کرداروں کی تصویر کشی کرتے رہتے ہیں اور یہ اچھی بات ہے کیونکہ یہ انداز قاری کو خوشگوار تاثر اور جاذبیت دیتا ہے۔

مصنف نے دیگر مقامات میں اس نوجوان کی تصویر مکمل کی:

" نوجوان کا اپنا اوور کوٹ تھا تو خاصا پرانا مگر اس کا کپڑا خوب بڑھیا تھا پھر وہ سلا ہوا بھی کسی ماہر درزی کا تھا- اس کو دیکھنے سے معمول ہوتا تھا کہ اس کی بہت دیکھ بھال کی جاتی ہے-کالر خوب جما ہوا تھا- باہوں کی کریز بڑی نمایاں سلوٹ کہیں نام کو نہیں- بٹن سینگ کے بڑے بڑے چمکتے ہوئے- نوجوان اس میں بہت مگن معلوم ہوتا تھا۔ [6]

اس نوع کی کردار نگاری ان کے تمام افسانوں میں موجود ہے-ان کے افسانوں کے ذریعے ہم مختلف کرداروں سے ملتے ہیں-ان کے مختلف انداز، مختلف خیالات سے آگاہ ہوتے ہیں- ٹھیکیدار، کلرک، مہاجن کا بیٹا، لاری ڈرائیور، چمڑے کا کاروبار کرنے والا، من سکھ پنواڑی، بہروپیا، جواری۔۔۔۔اور یہ سارے کردار منفرد ہیں، غالباً غلام عباس کردار نگاری میں اسی انفرادیت کو تلاش کرتے ہیں- "کتبہ" میں غلام عباس نے ثانوی / ضمنی کرداروں کی تصاویر بھی پیش کی اور یہ مختلف مقامات پر ہیں۔

" مگر بعض ٹائپ خاص طور پر نمایاں تھے۔سائیکل سوار آدمی آستینوں کی قمیص، خاکی زین کی نیکر اور چپل پہنے، سر پر سولا ہیٹ رکھے، کلائی پر گھڑی باندھے، رنگ دار چشمہ لگائے، بڑی بڑی توندوں والے بابو چھاتا کھولے، منہ میں بیڑی، بغلوں میں فائلوں کے گٹھے دبائے۔ [7]

اور افسانے کی دوران، غلام عباس ان تصاویر میں رنگ بھرتا رہتا ہے:

" ان کلرکوں میں ہر عمر کے لوگ تھے۔ایسے کم عمر بھولے بھالے ناتجربہ کار بھی جن کی ابھی مسیں بھی پوری نہیں بھیگی تھیں اور جنھیں ابھی سکول سے نکلے تین مہینے بھی نہیں ہوئے تھے اور ایسے عمر رسیدہ، جہاں دیدہ گاہک بھی جن کی ناک پر سالہا سال عینک کے استعمال کے باعث گہرا نشان پڑ گیا تھا اور جنھیں اس سڑک کے اتار چڑھاؤ دیکھتے دیکھتے پچیس پچیس، تیس تیس برس ہو چکے تھے۔بیشتر کارکنوں کی پیٹھ میں گدی میں ذرا نیچے خم سا آ گیا تھا اور کند استروں سے متواتر داڑھی مونڈتے رہنے کے باعث ان کے گالوں اور ٹھوڑی پر بالوں میں جڑیں پھوٹ نکلی تھیں جنھوں نے بے شمار ننھی پھنسیوں کی شکل اختیار کر لی تھی۔ [8]

(ب) جگہوں اور واقعات کی تصویر کشی

غلام عباس اپنے افسانوں میں جگہوں کی تصویر کشی کا خیال رکھتے ہیں قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ افسانے کے ماحول کے اندر موجود ہے۔ غلام عباس نہ صرف ایک مقام کی جزئیات نگاری پیش کرتا ہے بلکہ وہ وقت کا تعین بھی وضاحت سے کرتے ہیں اور یہ تعین مقام کی تصویر کشی کو تقویت دیتا ہے۔ قاری اپنے آپ کو ایک خاص زمان و مکان میں موجود پاتا ہے۔

"اوور کوٹ" میں مصنف نے افسانے کے شروع میں وقت کی وضاحت کی:

" جنوری کی ایک شام کو۔۔۔

یہ ہفتے کی شام تھی۔ بھرپور جاڑے کا زمانہ۔ سرد اور تند ہوا کسی تیز دھار کی طرح جسم پر آگے لگتی تھی۔" [9]

"کتبہ" میں غلام عباس سے دونوں عناصر جگہ اور وقت کو عمدہ انداز سے ملایا، اور یہ انداز غلام عباس کی تحریر کی ایک خوبی ہے۔

" گرمی کا زمانہ، سہ پہر کا وقت، سڑکوں پر درختوں کے سائے لمبے ہونے شروع ہو گئے تھے مگر ابھی تک زمین کی تپش کا یہ حال تھا کہ جوتوں کے اندر تلوے جھلسے جاتے تھے۔ ابھی ابھی ایک چھڑکاؤ گاڑی گزری تھی۔ سڑک پر جہاں جہاں پانی پڑا تھا۔ بخارات اٹھ رہے تھے۔" [10]

مصنف نے لاہور شہر کو ان دونوں افسانوں کے لیے مقام بنایا ہے اور افسانے کے تمام مناظر اور جگہوں اور سڑکوں کے نام حقیقی ہیں۔"اوور کوٹ" میں غلام عباس بیان کرتے ہیں:

" جنوری کی ایک شام کو ایک خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ سے گزر کر مال روڈ پر پہنچا اور چیرنگ کراس کا رخ کر کے خرامان خرامان پٹڑی پر چلنے لگا۔" [11]

اور دیگر مقام میں کہتے ہیں:

" مال روڈ پر موٹروں، تانگوں اور بائیسکلوں کا تانتا بندھا ہوا تو تھا ہی، پٹڑی پر چلنے والوں کی بھی کثرت تھی۔ علاوہ ازیں سڑک کی دو رویہ دکانوں میں خرید و فرخت کی، وہ دُور ہی سے کھڑے کھڑے ان تفریح گاہوں اور دکانوں کی رنگارنگ روشنیوں سے جی بہلا رہے تھے۔" [12]

"کتبہ" میں غلام عباس نے شہر کی فضا بیان کی:

" شہر سے کوئی ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر پُر فضا باغوں اور پھلواریوں میں گھری ہوئی قریب قریب ایک ہی وضع کی بنی ہوئی عمارتوں کا ایک سلسلہ ہے، جو دُور تک پھیلتا چلا گیا ہے- عمارتوں میں کئی چھوٹے بڑے دفتر ہیں، جن میں کم و بیش چار ہزار آدمی کام کرتے ہیں- دن کے وقت اس علاقے کی چہل پہل اور گہما گہمی عموماً کمروں کی چار دیواریوں ہی میں محدود رہتی ہے- مگر صبح کو ساڑھے دس بجے سے پہلے اور سہ پہر کو ساڑھے چار بجے کے بعد وہ سیدھی اور چوڑی چکلی سڑک جو شہر کے بڑے دروازے سے اس علاقے تک جاتی ہے، ایک ایسے دریا کا روپ دھار لیتی ہے جو پہاڑوں پر سر آیا ہو، اور اپنے ساتھ بہت سا خس و خاشاک بہالایا ہو۔" [13]

- **انسانی نفسیات**

غلام عباس کے افسانوں میں انسانی نفسیات کا گہرا شعور موجود ہے وہ اپنے کرداروں کی ظاہری اور باطنی شخصیت کو کامیابی سے پیش کرتے ہیں، قاری اس کامیابی میں مدد کرتا ہے، جب وہ افسانوں کی واقعات سے متاثر ہوتا ہے اور مرکزی کرداروں سے ہم آہنگی ظاہر کرتا ہے۔

" غلام عباس کے یہاں اسی ایک عام آدمی کی اندرونی روداد اور زندگی کی ایسی حقیقی اور سچی سطح ملتی ہے جہاں وہ صرف آدمی ہے- ایک عام جینے والی مخلوق! گویا ایک ایسا وجود جہاں آدمی کا کوئی درد، کوئی جمالیاتی تسکین، آدمی اور آدمی کے درمیاں کوئی ایسی شناخت جو مختلف بھی ہو اور اس کے لیے قابل قبول بھی، نشاط نفس یا تازگی کی ایک لہر جو وجود کی عمیق سطح سے ابھر کر مسرت یا خوشی میں، نہ ڈھلے، باطنی تضاد یا دکھ درد میں گھرا ہوا کوئی گہرا سانس جو غم اور الم بھی نہ بن سکے! بس ایک آنچ دیتا ہوا یہ اسلوب صرف غلام عباس کا ہے-"[14]

غلام عباس "کتبہ" میں ہیرو / مرکزی کردار کے نفسیاتی جذبات اور کشمکش کو منعکس کرتا ہے وہ اپنے لیے ایک سادہ گھر خریدنے کا خواب دیکھتا ہے، اور اس گھر کے دروازے پر ایک کتبہ، جس پر اس کا نام لکھا ہو لٹکانا چاہتا ہے۔ لیکن ہر وقت یہ خواب اسے پریشان رکھتا ہے، مگر خواب پورے ہوئے بغیر وہ فوت ہو جاتا ہے۔

" رات کو جب وہ کھلے آسمان کے نیچے اپنے گھر کی چھت پر اکیلا بستر پر کروٹیں بدل رہا تھا تو اس سنگ مرمر کے ٹکڑے کا ایک مصرف اس کے ذہن میں آیا- خدا کے کارخانے عجیب ہیں- وہ بڑا غفور الرحیم ہے- کیا عجب اس کے دن پھر جائیں- وہ کلرک درجہ دوم سے ترقی کر کے سپرنٹنڈنٹ بن جائے اور اس کی تنخواہ چالیس سے بڑھ کر چار سو ہو جائے --- یہ نہیں تو کم سے کم ہیڈ کلرک ہی سہی- پھر اسے ساجھے کے مکان میں رہنے کی ضرورت نہ رہے بلکہ وہ کوئی چھوٹا سا مکان لے لے اور اس مرمریں ٹکڑے پر اپنا نام کندہ کرا کے دروازے کے باہر نصب کر دے- مستقبل کی یہ خیالی تصویر اس کے ذہن پر کچھ اس طرح چھا گئی کہ یا تو وہ اس مرمریں ٹکڑے کو بالکل بے مصرف سمجھتا تھا یا اب اسے ایسا محسوس ہونے لگا گویا وہ ایک عرصے سے اس قسم کے ٹکڑے کی تلاش میں تھا اور اگر اسے نہ خریدتا تو بڑی بھول ہوتی-"[15]

مصنف "اوور کوٹ" میں بھی انسانی نفسیات کی تصویر پیش کرنے میں کامیاب ہوا۔ اور وہ نفسیاتی حقیقت پسندی پر زور دیتا ہے۔ یعنی انسان اپنے شعور و لاشعوری جذبات سے الگ نہیں رہ سکتا۔ ہر شخص کی اپنی شخصیت ہوتی ہے جو ہمہ وقت اس کے ساتھ ہوتی ہے۔

اس افسانے کا مرکزی کردار بہت غریب شخص ہے لیکن وہ لوگوں کے سامنے ایک امیر شخص کی طرح حرکات کرتا ہے، مگر جب اپنے آس پاس کوئی شخص نہیں دیکھتا، تو وہ غیر ارادی طور پر اپنے اصلی روپ میں آجاتا ہے۔-

" وہ منہ سے سیٹی بجا کے رقص کی ایک انگریزی دُھن نکالنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے پاؤں بھی تھرکتے ہوئے اٹھنے لگے۔ ایک دفعہ جب آس پاس کوئی نہیں تھا تو یکبارگی کچھ ایسا جوش آیا کہ اس نے دوڑ کر جھوٹ موٹ بال دینے کی کوشش کی گویا کرکٹ کا کھیل ہو رہا ہو۔"[16]

- **شہری زندگی**

غلام عباس کے تمام افسانوں کی واقعات عام طور پر شہر میں ہوتے ہیں، اور خاص طور پر شہر لاہور میں، جیسے:
اوورکوٹ، کتبہ، بھنور، اندھیرے میں، بامبے والا، جواری، بہروپیا، وغیرہ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی تعلیم وتربیت شہر لاہور میں ہوئے اور انھوں نے اپنی تمام زندگی اس شہر میں گزاری۔

"پیدائش: 17 نومبر 1909ء بہ مقام امرتسر مشرقی پنجاب، غلام عباس کی تعلیم وتربیت لاہور میں ہوئی، ابتدائی تعلیم دیال سنگھ ہائی سکول، لاہور میں پائی- تعلیمی سلسلہ ٹوٹ کر جڑتا رہا- 1941ء میں پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے ادیب عالم کیا، 1942ء میں میٹرک اور یہیں سے 1944ء میں ایف-اے کیا-بی اے کا امتحان دینا چاہتے تھے لیکن حالات نے اجازت نہ دی-" [17]

اگر ہم ملاحظہ کریں تو ان کی تمام کتابیں اور افسانے تقریباً لاہور میں ہی چھپیں۔ [18]

غلام عباس اپنے افسانوں میں حقیقت اور رومانویت ملا دیتے ہیں۔ "اوورکوٹ" میں وہ لاہور کی عمارتوں، سڑکوں، باغوں، دفاتر وغیرہ سب کچھ کی حقیقی تفصیلات کی عکاسی کرتے ہیں اور ایسے مناظر جگہیں اور سڑکیں ہیں جو لاہور کے حقیقی مقامات ہیں جیسے:

(ڈیوس روڈ، مال روڈ، چیرنگ کراس، لارنس گارڈن، ملکہ کا بت، ہائی کورٹ کی عمارت، ڈاک خانہ، میکلوڈ روڈ وغیرہ)

غلام عباس لاہور کو اس حد تک پسند کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے اکثر افسانوں میں اسے پسندیدہ شہر کے طور پر منتخب کیا۔ اور انھوں نے شہری زندگی کو کئی زاویوں سے بیان کیا، جیسے خرید و فروخت کی سرگرمیاں اور گرمی کی شدت-------

" مال روڈ پر موٹروں، تانگوں اور بائیسکلوں کا تانتا بندھا ہوا تو تھا ہی، پٹری پر چلنے والوں کی بھی کثرت تھی۔ علاوہ ازیں سڑک کی دورویہ دکانوں میں خرید و فروخت کا بازار بھی گرم تھا۔ جن کم نصیبوں کو نہ تفریح طبع کی استطاعت تھی نہ خرید و فروخت کی، وہ دُور ہی سے کھڑے کھڑے ان تفریح گاہوں اور دکانوں کی رنگارنگ روشنیوں سے جی بہلا رہے تھے۔" [19]

"کتبہ" میں شہر کا ہجوم، ملازمین کے آنے اور جانے کو بھی جزئیات کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

" مگر صبح کو ساڑھے دس بجے سے پہلے اور سہ پہر کو ساڑھے چار بجے کے بعد وہ سیدھی اور چوڑی چکلی سڑک جو شہر کے بڑے دروازے سے اس علاقے تک جاتی ہے، ایک ایسے دریا کا روپ دھار لیتی ہے جو پہاڑوں پر سے آیا ہو، اور اپنے ساتھ بہت سا خس وخاشاک بہالایا ہو۔" [20]

گرمی کی شدت اکثر شہری زندگی کو بے حال کے رکھتی ہے غلام عباس "کتبہ" میں کہتے ہیں:

" گرمی کا زمانہ، سہ پہر کا وقت، سڑکوں پر درختوں کے سائے لمبے ہونے شروع ہو گئے تھے مگر ابھی تک زمین کی تپش کا یہ حال تھا کہ جوتوں کے اندر تلوے جھلسے جاتے تھے۔ ابھی ابھی ایک چھڑکاؤ گاڑی گزاری تھی۔ سڑک پر جہاں جہاں پانی پڑھا تھا بغارات اٹھ رہے تھے۔ " [21]

غلام عباس نے شہری زندگی کے ایک معاشرتی مسئلہ کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، جو ملازمین کی تکلیف دہ زندگی اور معاشی بدحالی سے متعلق ہے۔

یہ مسئلہ "کتبہ" کا مرکزی خیال ہے جہاں مصنف ایک کلرک شریف حسین جو درجہ دوم میں کام کرتا ہے اور روزانہ دفتر کے آنے جانے میں بہت تکلیف برداشت کرتا ہے، اور اس کی تنخواہ بہت کم رہے جو صرف مہینے کے کچھ دنوں کے لیے کافی ہے:

" شریف حسین کلرک درجہ دوم، معمول سے کچھ سویرے دفتر سے نکلا اور اس بڑے پھاٹک کے باہر آکر کھڑا ہو گیا جہاں سے تانگے والے شہر کی سواریاں لے جایا کرتے تھے-

گھر لوٹتے ہوئے آدھے راستے تک تانگے میں سوار ہو کر جانا ایک ایسا لطف تھا جو اسے مہینے کے شروع کے صرف چار پانچ روز ہی ملا کرتا تھا اور آج کا دن بھی انہی مبارک دنوں میں سے ایک تھا۔ آج خلاف معمول تنخواہ کے آٹھ روز بعد اس کی جیب میں پانچ روپے کا نوٹ اور کچھ آنے پیسے پڑے تھے۔ "[22]

یوں ہم دیکھتے ہیں کہ "اوور کوٹ" کا مقام تو واضح طور پر لاہور ہے، جبکہ "کتبہ" کے بارے میں غالب گمان ہے کہ اس کا مقام بھی لاہور ہے۔ اس افسانے میں مصنف نے مقام کے حوالے سے واضح اشارے نہیں دیے، تاہم ایک بات طے ہے کہ اس کا مقام ایک بڑا شہر ہی ہے۔ دونوں افسانوں میں ایک بڑے شہر میں عام آدمی کی مشکلات میں گھری زندگی کو بہت کامیابی اور باریک بینی سے دکھایا گیا ہے۔

حوالہ جات

1- اردو افسانے کی روایت 1903- 2009ء، مرزا حامد بیگ، دوست پبلی کیشنز، اسلام اباد، لاہور، کراچی، 2010ء

2- تاریخ لاہور، کنھیالال ہندی، مرتبہ: کلب علی خان فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور 1977ء

3- غلام عباس: فکر و فن، ایم- خالد فیاض، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2010ء

4- غلام عباس کے 15 مشہور افسانے، غلام عباس، کتاب میلہ، 2020ء

[1] - غلام عباس کے 15 مشہور افسانے، غلام عباس، کتاب میلہ، 2020، ص 98

Ghulam Abbas Ki 15 Mashhour Kahaniyaj, Ghulam Abbas, Milah Book, 2020, pg. 98

[2] - ایضاً محولہ بالا، ص 100

- Opera Bhi Hawala Diya Gia ہے, p. 100

[3] - ایضاً محولہ بالا، ص101، 102

- Opera Bhi Hawala Diya Gia ہے, pag. 101, 102

[4] - غلام عباس کے 15 مشہور افسانے، ص8

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 8

[5] - ایظاً محولہ بالا، ص98

- Jessa Kauper transport Kia Gia ہے, p. 98

[6] - ایظا محولہ بالا، ص99، 100

- Iza Muflih Bala, p. 99, 100

[7] - غلام عباس کے 15 مشہور افسانے-ص86

- Ghulam Abbas K. 15 Mashour Kahaniyaj - pg. 86

[8] - ایظا محولہ بالا، ص86

- Ghulam Abbas K. 15 Mashour Kahaniyaj - pg. 86

[9]-غلام عباس کے 15 مشہور افسانے-ص98

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 98

[10]-ایضاً، محولہ بالا، ص85

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 85

[11]- محولہ بالا، ص98

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 98

[12]- محولہ بالا، ص99

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 98

[13]- محولہ بالا، ص85

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 85

[14]- غلام عباس: فکر و فن، ایم خالد فیاض، نقش گر پبلی کیشنز، راولپنڈی، 2010ء، ص58

- Ghulam Abbas: Thought and Art, de Khaled Fayyad, Naqsh by Publishing Questions, Rawalpindi, 2010, pg. 58

[15]- غلام عباس کے 15 مشہور افسانے، ص88

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 88

[16]- محولہ بالا، ص98

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 98

[17] - اردو افسانے کی روایت 1903- 2009ء، مرزا حامد بیگ، دوست پبلی کیشنز، اسلام اباد، لاہور، کراچی، 2010ء، ص476

- Urdu Afsaneh ki roman 1903-2009-, Mirza Hamid Beg, Dost Public Kitchens, Islamabad, Lahore, Karachi, 2010-, p. 476

[18] - " 1- قربانی" مطبوعہ مخزن، لاہور، ستمبر 1928ء

- Qurbani" tipărit de Makhazn, Lahore, septembrie 1928

2-"جانثار دوست" مطبوعہ مخزن، لاہور، اکتوبر 1927ء

2- „Janta Radost" tipărit de Makhazn, Lahore, octombrie 1927

3-"موت کا درخت" مطبوعہ نیرنگ خیال، لاہور، 1929ء

3- „Mut Kadarakht" tipărit de Nirang Khayal, Lahore, 1929

4-"جلاوطن"مطبوعہ ہزار داستان،لاہور،1924ء

4- „Jala Watan" tipărit de Hazar Dastan, Lahore, 1924

5-"بکری"،لاہور،1922ء

5- Bakri, Lahore, 1922

6-"آنندی"،مکتبہ جدید،لاہور

6- „Anandi", Biblioteca Jadeed, Lahore

7-"کن رس"،المثال،لاہور

7- „Be Ras", Al Muthal, Lahore

9-"مجسمہ"،مطبوعہ کاروان،لاہور،1933ء

9- Mujashamah, Publicaţia Karwan, Lahore, 1933

10-"الحمرا کے افسانے"،دار الاشاعت،پنجاب،لاہور،1939ء

10- „Al-Hamra ko Afsana", Dar Al-Asha'at, Punjab, Lahore, 1939

11-"زندگی،نقاب،چہرہ"،دار الاشاعت،پنجاب،لاہور،1984ء

11- „Zandgi, niqab, chahra", Dar Al-Asha'at, Punjab, Lahore, 1984

12-"برف کی بیٹی"،دار الاشاعت،پنجاب،لاہور،1933ء

12- „Barf Ki Betty", Dar Al-Isha'at, Punjab, Lahore, 1933-

13-"چاند کی بیٹی"،دار الاشاعت،پنجاب،لاہور،1937ء

13- „Chand Ki Petti", Dar Al-Asha'at, Punjab, Lahore, 1937-

14-"ثریا کی گڑیا"،دار الاشاعت،پنجاب،لاہور،1944ء

14- „Soraya Ki Ghoya", Dar Al-Isha'at, Punjab, Lahore, 1944-

15-"جادو کا لفظ"،دار الاشاعت،پنجاب،لاہور طبع اول،1937ء

15- „Jado Ka Falfh", Dar Al-Asha'at, Punjab, Lahore, prima ediţie, 1937

16-"ایک آنکھ والا دیو"، شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور، طبع ثانی،2007ء

16- „Ik Ankah Wala Deo", Sheikh Ghulam Ali And Sons, Lahore, ediţia a doua, 2007

17-"شہزادہ اور گلاب"، شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور، طبع ثانی،2007ء

17- „Shazada Ur Gulab", Sheikh Ghulam Ali Ind Sans, Lahore, ediţia a doua, 2007

18-"کھلونوں کی بستی"، شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور، طبع ثانی،2007ء

18- „Khalonoji Ki Basti", Sheikh Ghulam Ali Ind Sans, Lahore, ediţia a doua, 2007

19-"مغرور لڑکی"، شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور، طبع ثانی،2007ء

19- „Maghurour Lakki", Sheikh Ghulam Ali India, Lahore, ediţia a doua, 2007

20-"اندھا فقیر"، شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور، طبع ثانی،2007ء

20- „Andha Faqir", Sheikh Ghulam Ali Ind Sans, Lahore, ediţia a doua, 2007

21-"ایک ٹانگ کا بادشاہ"، شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور، طبع ثانی،2007ء

21- „Ek Tang Ka Badshah”, Sheikh Ghulam Ali India, Lahore, ediţia a doua, 2007

22-"جلاوطن"، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع ثانی، 2007ء

22- „Jala Watan”, Sheikh Ghulam Ali India, Lahore, ediţia a doua, 2007

23-"غلام عباس کے دس بہترین افسانے"، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، طبع ثانی، 2007ء

23- „Ghulam Abbas Kuda Behtarin Afsaneh”, Sheikh Ghulam Ali India, Lahore, ediţia a doua, 2007

محولہ بالا، ص477: 479

23- „Ghulam Abbas Kuda Behtarin Afsaneh”, Sheikh Ghulam Ali India, Lahore, ediţia a doua, 2007

[19]- غلام عباس کے 15 مشہور افسانے، ص99

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 98

[20]- ایضاً، ص85

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 85

[21]- محولہ بالا

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 85

[22]- محولہ بالا

- Gholam Abbas K15 Mashour Kahaniaj, pg. 85